۱۹۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۳۲۱، ۳۲۲ مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ، کراچی

۲۰۔ رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۰۲

۲۱۔ HINDU MANNERS CUSTOMS AND CEREMONIES, P - 100

۲۲۔ P- 48 ایضاً

۲۳۔ P-416 ایضاً

۲۴۔ P-417 ایضاً

۲۵۔ مقاییس المجالس ج ۲ ص ۳۵۔۳۴۔۸۳۳ ملخصاً

۲۶۔ مقاییس المجالس ج ۵ ص ۱۰۱۲

۲۷۔ روزنامہ قومی جنگ راجپور ۱۳ مارچ ۱۹۸۸ء

۲۸۔ The Hindu Muslim Question. p -12

۲۹۔ کلیان پرم پران ایک اکتوبر ۱۹۳۲ء ص ۳

۳۰۔ ڈبلیو جے ولکنس (Hindu Mythology. P-3-5)

۳۱۔ بحر یکا یجر وید ص ۳۰۲ (اس طرح کے مزید حوالے شمس نوید عثمانی کی کتاب اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں)

۳۲۔ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا مترجم یاسر جواد، سعدیہ جواد، ص ۱۵۹

۳۳۔ ملخصاً۔ کتاب البدء والتاریخ ج ۴ ص ۹ تا ۱۹ مطبوعہ استنبول

۳۴۔ یہ مشترکات و مطابقات شمس نوید عثمانی کی کتاب اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ کے ص ۵۰ تا ۸۲ میں ملاحظہ کیجئے۔

۳۵۔ مفردات امام راغب اصفہانی اردو ج ۲ ص ۷۰۰ مطبوعہ شیخ شمس الحق لاہور

۳۶۔ مفردات امام راغب اصفہانی اردو ج ۲ ص ۳۳۰ مطبوعہ شیخ شمس الحق لاہور

۳۷۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۳ ۳۸۔ سورۂ ہود آیت ۴۹

۳۹۔ عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۶۹ ۴۰۔ ایضاً۔ ص ۱۸۳

۴۱۔ ملخصاً مقاییس المجالس ج ۲ ص ۳۵۔۳۴۔۸۳۳

۴۲۔ تاریخ مشائخ چشت ج ۵ ص ۵۸

۴۳۔ ملخصاً اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۷۲ مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی

۴۴۔ ایضاً۔ ص ۷۷

۴۵۔ رسالہ معارف اعظم گڑھ ص ۱۷۸ شمارہ ۳ جلد ۹۵

۴۶۔ ملخصاً رسالہ معارف اعظم گڑھ ص ۱۸۱، ۱۸۰ شمارہ ۳ جلد ۹۵

۴۷۔ ملخصاً اگر اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۱۱۲ مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی

۴۸۔ ایضاً۔ ص ۱۱۵

حرمت ربا کی علت

شیخ محمود احمد

ایک لفظ میں علت حرمت قرآن کریم نے خود بیان فرمادی ہے اور وہ ہے ظلم، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے" (۲:۲۷۹) خطاب اس آیہ کریمہ میں سرمایہ دار سے ہے، دائن سے ہے اور جسے ظلم قرار دیا گیا ہے وہ راس المال سے زیادہ کوئی معین اضافہ لینا ہے لہٰذا سود کی ہر شرح ظلم ہے، زیادہ شرح زیادہ ظلم اور کم شرح کم ظلم ہے لیکن کم سے کم شرح بھی ظلم ضرور ہے۔ قرآن کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ مدیون نے زیادہ کھایا کمایا یا کم کمایا ہے۔ اس نے کتنا ہی زیادہ کمایا ہو۔ یہ کوئی وجہ سرمایہ دار کے حصے میں کسی معین اضافے کی نہیں بنتی کیونکہ سرمایہ دار کا حق خدمت ربوا والی آیات کی روشنی میں اس کے سرمایہ کی واپسی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہاں اگر اس کا راس المال بھی اسے نہ لوٹایا جائے تو البتہ سرمایہ دار کے ساتھ ظلم ہوگا اور اسے بھی قرآن پاک نے ظلم کے ہی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ ظلم کیوں اس قدر مقہور ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس ظلم پر اصرار کرنے والے کے خلاف جنگ کا اعلان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں؟ کسی کا مال کھا جانا یا زمین دبا لینا بھی ظلم ہے۔ کسی سے ناانصافی کرنا بھی ظلم ہے، رشوت خوری ملاوٹ اور گراں فروشی بھی ظلم ہیں۔ کسی کو بغیر حق کے اذیت پہنچانا بھی ظلم ہے۔ یہ سب حقوق العباد کے متعلق ہونے کی وجہ سے ناقابل معافی ظلم ہیں، لیکن اعلان جنگ کا سبب نہیں بنتے، لیکن سود پر اصرار اللہ اور اس کے رسول دونوں کی طرف سے جنگ کا مستحق بن جاتا ہے۔ وہ کیا کوئی فرق ہے جو سود کو باقی ظلم سے ممیز کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب کلام پاک میں نہیں ملتا۔ البتہ سوچنے، غور کرنے اور چیزوں کی ماہیت کو سمجھنے کی بار بار تحریک کی گئی ہے اور ظلم کی عظمت تو اس انداز سے بیان ہوئی ہے کہ ساری دنیا کا ادب مل کر نہ وہ حسن بیان مہیا کر سکتے ہیں اور نہ وہ قوت

اظہار پیش کر سکتے ہیں۔ تخلیق آدم کی کہانی میں محض علم کے پہلے قدم یعنی علم الاسما جاننے والا آدم تسبیح و تقدیس مسلسل کے عامل فرشتوں کا مسجود بن جاتا ہے اور جو علم کی اس عظمت کو قبول نہ کرے جو تقابلی مراتب کے اعتبار سے تسبیح و تقدیس مسلسل کو ساجد اور علم کے پہلے قدم کے شناسا کو مسجود نہ مانے وہ راندۂ درگاہ ٹھہرتا ہے اور شیطان بن جاتا ہے سو اگر قرآن نے ہمیں سود کے ظلم کی خصوصی نوعیت نہیں بتائی تو اسے جانے کا راستہ تو بتا دیا ہے۔ اسی طرح رسول پاک ﷺ نے ایک روایت کے مطابق سود کو ماں کے ساتھ زنا سے ستر گناہ زیادہ گھناؤنا قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ کے الفاظ ہیں، الربا سبعون جزاً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ یعنی سود کے ستر اجزاء ہیں اور سب سے ہلکا ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے یہ نہیں بتایا کہ ایسے گناہ کے مقابلے میں کہ جس کا نام لینے سے بھی گھن آتی ہے۔ یہ ستر گناہ برا کیوں ہے۔ ہاں البتہ علم کی فضیلت بار بار بیان فرما دی۔ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے کہہ دیا کہ عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو مجھے آپ میں سے سب سے کمتر پر ہے حضرت ابو درداء کی روایت کے مطابق فرما دیا کہ عالم عابد پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو چاند ستاروں پر اور عالم کی بخشش کے لئے ہر چیز یہاں تک کہ مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں اور علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ فرما کر بات ہی ختم کر دی کہ عالم کی دوات کی سیاہی شہید کے خون سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ سود کے ظلم کی امتیازی نوعیت ڈھونڈنے کے لئے ہمیں علم اور اہل علم کے پاس جانا پڑے گا اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ اہل علم مسلمان ہوں، اطلبو العلم ولو کان بالصین میں علم کی طلب میں غیر مسلموں تک کے پاس جانے کا اشارہ موجود ہے اور پھر حکمت تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق مومن کی گمشدہ میراث ہے لہٰذا وہ جہاں ملے اسے ڈھونڈ لانا چاہیے۔

علم کی سطح پر سود کی بے پناہ استحصالی قوت کا بھرپور اظہار کینز نے کیا ہے جسے تمام اہل علم اس صدی کا سب سے بڑا معاشیات اور بالخصوص مالیاتی معاشیات کا ماہر تسلیم کرتے ہیں، اس نے پہلی بار اس نکتے کا بھرپور اظہار کیا ہے کہ جب تک سود خواری کو کسی غیر تکلیف دہ طریقے سے معدوم نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک دنیا سے بے روزگاری ختم نہیں کی جا سکتی۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے متنبہ کیا کہ "دنیا اب مزید بے کاری لمبے عرصے تک برداشت نہیں کرے گی۔۔ جو آج کے سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ لازماً وابستہ ہے۔ وہ رہنمائی دیتا ہے کہ "ہمارا اعلیٰ ترین مفاد اس میں ہے کہ ہم شرح سود کو اتنا گھٹا لیں۔۔۔۔ کہ جہاں سب کو روزگار میسر آ جائے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس نتیجے کے حصول کی خاطر ہمیں شرح سود کو اس کی کم ترین سطح سے کہیں زیادہ نیچے لے جانا پڑے گا۔ اور ہم وہاں پہنچ جائیں گے جہاں سود خوار طبقہ کسی غیر

تکلیف دہ طریقے سے معدوم کر دیا جائے تاکہ سرمایہ دار کی وہ استحصالی قوت ختم ہو جائے جس سے وہ سرمایہ کی کمیابی کی قیمت وصول کرنے کا اختیار حاصل کرتا ہے سود اور بے روزگاری کے تعلق کو واضح کرنے کے لئے کینز بتاتا ہے کہ سود کا بوجھ سرمایہ کی صلاحیت کار کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ صلاحیت کار کی کمزوری تعمیری عمل پر منفی اثر ڈالتی ہے اور اس کی وجہ سے بیروزگاری جنم لیتی ہے۔ کینز اس خیال کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ پر سود کا ایک عجیب نتیجہ یہ ہے کہ وہ روزگار کے حصول کی ایک حد معین کر دیتا ہے کیونکہ وہ سرمایہ کی کارکردگی کی ایک سطح کا تقاضا کرتا ہے پیشتر اس کے کہ نیا سرمایہ تخلیق کیا جائے۔"

کینز مانتا ہے کہ دراصل پادری جب سود کے خلاف بات کرتے تھے اور اہل علم اسے ان کی نا سمجھی پر محمول کرتے تھے وہ سب غلط تھا۔ پادریوں کی نظر سرمایہ کی کارکردگی پر تھی جس پر اہل علم کی نظر نہیں گئی۔ اس کے نزدیک سود اصل حاکم ہے۔ سود کی عجیب صلاحیت ہے کہ وہ ڈنگ بھی خود مارتا ہے۔ اور ان سماجی ناہمواریوں کی حفاظت بھی خود ہی کرتا ہے جو اس کے وجود کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

سود کی استحصالی قوت اس قدر واضح ہے کہ اس کے لیے ہمیں صرف اپنے گرد و پیش دیکھنے کی ضرورت ہے ہر طرف قدرت کے خزانے بکھرے ہوئے ہیں زمین لہلہاتی فصلیں اگانے کو تیار ہے اگر اس پر محنت کی جائے اور اضافی سرمایہ میسر آ جائے تو ہر خوشہ گندم کی جگہ تین گندم کے خوشے اگائے جا سکتے ہیں۔ دریاؤں سے نہریں نکالنے، پن بجلی کے منصوبے مکمل کرنے اور اللہ کی زمین کو بقعۂ نور بنانے کی گنجائش ہے بشرطیکہ سرمایہ ہو۔ پہاڑوں کا سینہ چیر کر اللہ کے ودیعت کیے ہوئے خزینے ڈھونڈے جا سکتے ہیں، ایک ہزار کروڑ روپیہ سالانہ کا پٹرول درآمد کرنے کے بجائے خود اپنی سرزمین میں پٹرول کی تلاش کی جا سکتی ہے۔ جس طرف بھی سر اٹھا کر دیکھیں۔ قدرت کے گراں مایہ وسائل استفادہ کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں اور پھر وہ لوگ بھی موجود ہیں جو پہاڑوں کا سینہ چیرنے اور زمین کی کوکھ کو پھاڑنے کا دم رکھتے ہیں۔ وہ تنظیم بھی موجود ہے یا حاصل کی جا سکتی ہے جس سے مناسب افراد صحیح اسلوب سے منتخب کام کر سکیں۔ جہاں آ کر بات اٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ سرمایہ میسر نہیں کہ سب کام ہاتھ میں لے سکیں یا کم از کم اتنے کام ہاتھ میں لے سکیں جن سے سب لوگوں کو روزگار میسر آ سکے۔

گویا جو بھی رکاوٹ روزگار کے راستے میں ہے وہ سرمایہ کی طرف سے ہے، بچتوں کا مسئلہ نہیں ہے کم از کم ان معنوں میں نہیں جن میں سرمایہ دارانہ معاشیات اسے بیان کرتی ہے یا جن معنوں میں رپورٹ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے بلکہ اس کے الٹ معنوں میں یہ مسئلہ بھی ہے اور یہ اور دیگر تمام لاینحل

معاشی مسائل سود کے استحصالی مظاہر کا پرتو ہیں۔ اگر ہم ربا کی علت حرمت جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے استحصالی مظاہر کا تجزیہ بھی کرنا پڑے گا۔

سود کے استحصالی مظاہر

جب سود کو سرمایہ کاری کی اساس کے طور پر قبول کیا جائے تو وہ اتنی سمتوں سے انسان کی فلاح اور اس کی خوشحالی پر حملہ آور ہوتا ہے کہ ان کا اجمالی مختصر ذکر بھی فاذنو بحرب من اللہ ورسولہ کا مفہوم سمجھانے کے لئے کافی ہے۔

پہلا نتیجہ سود کا یہ ہے کہ اس کے بوجھ کی وجہ سے سرمایہ کی کارکردگی محدود ہو جاتی ہے تعمیری عمل اتنا نہیں پھیل سکتا جتنا کہ قدرتی وسعت کے اعتبار سے اسے پھیلنا چاہیے۔ یہ نقطہ جس قدر اہم ہے اسی قدر متفق علیہ بھی ہے۔ اہمیت اس کی یہ ہے کہ سود کے تمام استحصالی مظاہر اس نکتے سے اس طرح نمودار ہوتے ہیں جیسے شاخوں سے پتے نکلتے ہیں۔ جہاں تک متفق علیہ ہونے کا تعلق ہے، راقم الحروف کے علم کی حد تک کوئی ماہر معاشیات ایسا نہیں جس نے شرح سود اور سرمایہ کی صلاحیت کار کے درمیان منفی تعلق کو تسلیم نہ کیا ہو۔ یہ بحث تو ملتی ہے کہ سرمایہ کی کارکردگی پر اثر اندازی کی لچک اکائی کے برابر ہے یا کم۔ لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ شرح سود سرمایہ کی کارکردگی پر منفی اثر نہیں ڈالتی۔ اس منفی اثر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سے قدرتی وسائل کی تسخیر رک جاتی ہے بالخصوص چھوٹے کام جن میں سود کا بوجھ اٹھانے کی سکت کم ہوتی ہے۔ وہ یا شروع نہیں کیے جا سکتے یا شروع کرنے کے بعد نقصان اٹھا کر چھوڑنے پڑتے ہیں۔

دوسرا نتیجہ سود کا سرمایہ کی محدود کارکردگی کے توسط سے یہ ہے کہ بہت سے لوگ جو روزی میں لگائے جانے کے آرزومند ہوتے ہیں انہیں روزی نہیں مل سکتی اور چونکہ ان میں سے ہر ایک میں سرمایہ حاصل کر کے چھوٹے موٹے کاروبار کرنے کی سکت نہیں ہوتی اور نہ چھوٹے موٹے کاموں میں سود کے استحصالی بوجھ کو اٹھانے کی کوئی بڑی قوت ہوتی ہے اور نہ چھوٹے موٹے کاموں میں سرمایہ دار کو قرض دینے میں کوئی مسرت ہوتی ہے اس لیے بیروزگار انسان روزگار کے حصول پر کوئی قدرت نہیں رکھ سکتے۔

تیسرا نتیجہ سود کا یہ ہوتا ہے کہ جن کاموں کو سود کے استحصالی بوجھ کے باوصف شروع کیا جاتا ہے ان میں منافع کی شرح کو اونچا رکھنا اس وجہ سے ضروری ہوتا ہے کہ ناظم کار کو نہ صرف سود بلکہ اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مختلف خطرات کے خلاف ادائیگی مہیا کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ لہٰذا منافع خوری میں حد سے آگے چلے جانے کا اسلوب جو تجارت اور صنعت میں نظر آتا ہے وہ سود کی وجہ سے ہے۔

چوتھا نتیجہ سود کا یہ ہے کہ ہر چیز کا کرایہ وہ خواہ زمین کا ہو یا مکان کا یا دکان کا انتہائی طور پر اونچا چڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں زمین، مکان یا دکان کی مالیت پر سود شامل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ علاوہ اس شکست و ریخت کی ادائیگی کے لہٰذا کرائے کے توسط سے بھی منافع کی سطح کو مزید اونچا کرنے کی بنیاد مہیا ہو جاتی ہے۔

پانچویں قدم کے طور پر منافع کو اونچا رکھنا صرف دو اقدامات کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ مزدوروں کو ان کے کام کا پورا معاوضہ دیا جائے اور یہ محرومی طبقاتی کشمکش کی بنیاد بن جاتی ہے۔

چھٹا نتیجہ جو منافع کو اونچا رکھنے کی دوشاخی چال کے طور پر انسان پر مسلط ہوتا ہے یہ ہے کہ تمام چیزیں مسلسل گرانی کا شکار ہوتی چلی جاتی ہیں اور استحصال کے مارے ہوئے نچلی سطح کے لوگوں کو اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں اذیت ناک محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ساتواں نتیجہ جو چیزوں کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے مرتب ہونا ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ چیزوں کی مانگ اتنی نہیں ہوتی جتنی اگر قیمتوں کو صحیح سطح پر رکھا جا سکتا تو ممکن ہوتی، لہٰذا کساد بازاری کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔

آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ منافع کی سطح کو سود کے تقاضوں کے مطابق اونچا رکھنے کے باوجود کساد بازاری کے خطرے کو ٹالنے کا ایک کثیر الاستعمال طریقہ یہ ہے کہ چیزوں کی پیداوار کو محدود کیا جائے چنانچہ ہر قسم کی پیداوار کو اس سطح سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا جس سے منافع کی بلند ترین سطح ممکن ہو سکے۔ یہ سودی نظام کا ایک بنیادی طریق کار ہے اس کا اظہار ہر ملک میں اور ہر قسم کی پیداوار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن غالباً سب سے خوب صورت مظہر امریکہ کی زرعی پالیسی ہے جسکے تحت امریکہ کی حکومت کم و بیش بارہ ارب ڈالر ہر سال محض زرعی پیداوار کو کم کرنے پر صرف کرتی ہے۔ اور چونکہ اتنی بڑی رقم امریکہ کے پاس بھی فاضل نہیں ہوتی لہٰذا ہر سال یہ رقم سودی قرض پر حاصل کی جاتی ہے انسان کی محرومی اور سرمایہ کی توانائی کی اس سے زیادہ عبرت ناک مثال شاید دنیا کی تاریخ میں اور کوئی نہ مل سکے۔

نواں نتیجہ جسے سودی نظام چابک دستی مہیا کرتی ہے یہ ہے کہ بجائے پہلے آٹھ نتائج پر نادم ہونے کے وہ ایسا موقف اختیار کرتا ہے جس کی بدولت پہلے آٹھ نتائج میں مزید گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سرمایہ دار طبقہ حکومتوں کو یقین دلاتا ہے کہ کساد بازاری سے اتنے خطرات پیدا ہوں گے کہ حکومتوں کا نام و نشان مٹ جائے گا لہٰذا لوگوں کو روزگار اور قوت خرید مہیا کرنے کے لئے حکومتوں کو اپنے

اخراجات اپنی آمدنی سے بہت زیادہ دور رکھتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی بیشتر حکومتیں سرمایہ دار طبقہ کی اس چال میں گرفتار ہیں جس میں پاکستان کی حکومت شامل ہے۔

دسواں نتیجہ یہ ہے کہ اس ترکیب سے حکومتوں کو اپنے جال میں پھانسنے کے بعد سرمایہ دار طبقہ انہی حکومتوں کو اپنے استحکام کا ذریعہ بنالیتا ہے۔ وہ نہ صرف افراد اور تعمیری اداروں کی آمدنی کے ایک معتد بہ حصہ کا مالک بن جاتا ہے بلکہ ملکی آمدنی کے اس کثیر حصہ پر قابض ہو جاتا ہے جو قرضوں پر سود کی شکل میں حکومتوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تابع تمام حکومتوں کا وہی حال ہے جو پاکستان کا ہے ہر سال کھربوں روپیہ قرض لیا جاتا ہے اور اربوں روپیہ سالانہ سود ادا کیا جاتا ہے۔

گیارھواں نتیجہ یہ ہے کہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں، نچلا اور متوسط طبقہ بے روزگاری اور گرانی کے پاٹوں کے درمیان پستا چلا جاتا ہے، اور سرمایہ دار طبقہ اپنی سود کی غیر مختتم آمدنی پر بگل چھرے اڑاتا نظر آتا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے خوب صورت الفاظ میں ایک طرف ''دولت کا ورم'' اور دوسری طرف معاشی لاغری پیدا ہو جاتی ہے جس سے ایک طرف دولت کے مرتکز ہونے میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف نفرت کا لاوا کروڑوں انسانوں کے سینے میں جمع ہونا شروع ہوتا ہے۔

بارھواں نتیجہ بین الاقوامی کھچاؤ میں اس وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ملک کوشش کرتا ہے کہ اس کی برآمدات بڑھیں اور درآمدات کم ہوں تاکہ ملک کے اندر کی بیروزگاری جسے سود نے پیدا کیا ہے۔ برآمدات میں پھیلاؤ کی مدد سے دوسرے ملکوں میں منتقل ہو سکے۔ لیکن چونکہ باقی ملک بھی اسی بیماری کے مریض ہوتے ہیں اسلئے کوئی ملک اس سمت میں کوئی واضح کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ بین الاقوامی کھچاؤ بڑھتا چلا جاتا ہے اور بعض اوقات اس کی شدت جنگ کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

تیرھواں نتیجہ تمدن اور تہذیب کے سب سے قیمتی عنصر یعنی انسان کی تمدنی سطح پر زبوں حالی ہے۔ سود نام ہی روپے کو انسان پر تفوق دینے کا ہے کیونکہ یہ انسان کی محنت کے نتیجے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ بلکہ اگر انسانی محنت ضائع بھی ہو جائے تب بھی سرمایہ اپنا سود چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ چونکہ سودی نظام کا عملی اطلاق ہی سرمایہ کے تفوق اور انسان کی ثانویت کا اعتراف ہے لہذا کچھ تعجب نہیں کہ نئی تہذیبی روایت میں شرافت، رزق حلال، اور انسان کی قیمت مسلسل گرتی چلی جاتی ہے اور لالچ، حرص اور لوٹ کھسوٹ سب سے مؤثر اور توانا جذبے بن جاتے ہیں۔

چودھواں نتیجہ سود کا وہ ہے جسے قرآن کی زبان میں یتخبطہ الشیطان من المس کہا گیا

ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام سے تعلق رکھنے والے تمام ماہرین معاشیات آج حیران ہیں کہ ان بیماریوں کا کیا علاج کریں لیکن باوجود علم کی دسترس کے سود کے نتائج کو دور کرنا سود کو دور کیے بغیر ممکن نظر نہیں آتا اور چونکہ سود کو دور کرنا انہیں قابل قبول نہیں اس لیے ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن مثال کے طور پر بے روزگاری اور گرانی کا علاج کرنے بلکہ سوچ سکنے سے بھی قاصر ہیں ان کے پاس بے روزگاری کے جتنے علاج ہیں وہ گرانی بڑھانے والے ہیں اور گرانی دور کرنے کے جتنے علاج ہیں وہ بے روزگاری بڑھانے والے ہیں۔ لہذا عصر حاضر کی معاشیات کے سب بڑے مسائل کے مقابلے میں ماہرین معاشیات کی بے بسی قابل رحم بھی ہے اور عبرت ناک بھی۔

پندرھواں پہلو بات کا یہ ہے کہ یہ دیوانے بکار خویش بے انتہا ہوشیار بھی ہیں، سرمایہ دارانہ سودی نظام کو سب سے بڑا خطرہ اس چیز میں ہے کہ کہیں سرمایہ اس قدر وافر نہ ہو جائے کہ سود کو بہت کم کرنا پڑ جائے یا بالکل ہی معدوم کرنا پڑے۔ لہذا سود کو مستقل حیثیت دینے کے لئے ضروری ہے کہ ایسا انتظام کیا جائے کہ سرمایہ کبھی وافر مقدار میں مہیا نہ ہو سکے اس کے لیے سب سے اہم اقدام وہ ہے جسے بنکوں کو ریزرو کہتے ہیں چونکہ سودی نظام کی وجہ سے معاشی ناہمواری، اندرونی کھچاؤ، بیرونی دباؤ اور کساد بازاری کے خطرے ہر وقت سر پر منڈلاتے رہتے ہیں لہذا بنک اپنے پاس آنے والا سب روپیہ قرض پر نہیں دیتے بلکہ اس کا کچھ حصہ ریزرو میں رکھتے ہیں تاکہ اگر ایک دم مانگ آئے تو اسے چکایا جا سکے۔ جتنا ریزرو اونچا ہو گا۔ اتنا ہی سرمایہ کی فراہمی محدود ہو گی۔ اگر ریزرو ۳۳ فیصدی ہو تو بچتوں کا تین گنا قرض دیا جا سکتا ہے۔ اگر پچیس فیصدی ہو تو چار گنا اگر بیس فیصدی ہو تو پانچ گنا اگر دس فیصدی ہو تو ۱۰ گنا قرض دیا جا سکتا ہے۔ اب مثلاً ہمارے ملک میں ۳۵ فیصدی ریزرو رکھا جاتا ہے تاکہ تین گنا سے کچھ کم قرض دیا جا سکے۔ سرمایہ کی رسد میں اس مصنوعی کمی کے ساتھ ساتھ اس کی مانگ میں حکومت کے خسارے کے بجٹ کے توسط سے اضافہ کروایا جاتا ہے۔ تاکہ سود کی سطح مستحکم رہے۔

سرمایہ کی مصنوعی قلت پیدا کرنے کا سب سے اہم طریقہ یہ ہے کہ بڑے پیمانے کی بچتیں سودی نظام میں جمع نہ ہو سکیں بچت آمدنی سے خرچ کم ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر بے روزگاری عام رکھی جائے اور جنہیں روزگار فراہم کیا جائے انہیں ان کی استعداد سے کم تر مقام پر رکھا جائے اور ضروریات زندگی کی قیمتوں کو مسلسل بڑھایا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ سہ گونہ عمل بچتوں کو بڑھنے نہیں دے گا اور سرمایہ کو اپنی مصنوعی کمیابی کی قیمت ملنے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔

گویا سود ایک خودکار نظام ہے جس میں سرمایہ ہمیشہ ضرورت سے کم رہے گا تاکہ اس کی کمیابی

کی قیمت اسے ملتی رہے اس استحصال کے تسلسل میں کبھی کمی نہیں آسکتی، کیونکہ اس کے مستقبل کی حفاظت خود اس کا طریق کار کرتا ہے۔

سولہواں پہلو یہ ہے کہ سود خوار طبقہ اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے ہر چیز کو داؤ پر لگانے کے لئے تیار رہتا ہے چنانچہ جب انسان اپنی محرومیوں کے خلاف آواز اٹھانا شروع کرتے ہیں تو سود خور انتہائی مسکین شکل بنالیتا ہے اور منافع کو جو سود کے استحصال کا ظاہری مظہر ہے تمام معاشی برائیوں کی جڑ کے طور پر آگے پیش کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری کے خلاف ردعمل کے بجائے سود کے خلاف مؤثر اقدام کرنے کے سوشلزم کی راہ اختیار کرتا ہے جس میں منافع کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کی ذاتی جائیداد ختم کردی جاتی ہے اور تمام چیزیں بشمول زمین، مکان، دکان، کارخانہ وغیرہ میں تو میالی جاتی ہیں لیکن لطیفہ یہ ہے کہ اصل چور کو وہاں بھی کوئی نہیں پکڑتا۔ بنک میں رکھی ہوئی رقم نہ تو قومیائی جاتی ہے نہ اس پر سود کی ادائیگی بند ہوتی ہے۔ سوائے چین کے کہ وہاں ڈیپازٹ پر سود کی ادائیگی کی شرح گرا کر نصف فی صدی کے قریب رکھی گئی تھی۔ روس میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو لاکھوں روبل بنکوں میں جمع رکھتے ہیں اور ان پر سود حاصل کرتے ہیں۔ اور سود کی شرح بھی معقول ہے اور ابتدائی دور میں تو شرح سود مغرب کی سطح سے بھی خاصی زیادہ تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ساری شرارت کی جڑ سو افندہ سے وہاں بھی بچ رہتی ہے اور دلیل وہاں بھی یہی ہے کہ یہ رقمیں ضبط کریں گے یا سود نہیں دیں گے تو بچتیں نہیں ہوسکیں گی۔ ایک فقرے میں صورت حال یہ ہے کہ قصور سرمایہ کرتا ہے اور سزا نفع کی تعدیم کے توسط سے سب انسانوں کو ملتی ہے کہ وہ ہر قسم کی فکری، سیاسی اور شخصی آزادی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ گویا سود جو محرومیاں براہ راست پیدا کرتا ہے ان کے ردعمل کے طور پر وہ محرومیاں پیدا ہوتی ہیں جو سوشلزم مہیا کرتا ہے اور سرمایہ خود اس لئے محفوظ رہتا ہے اس کے پاس بچتوں والی دلیل کا وہ صدری نسخہ ہے جس کا توڑ سوائے اسلام کے کسی اور کے پاس نہیں۔

سود کے ان سولہ نتائج سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ صرف اتنی ہی برائیاں سود میں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ علم ابھی خام ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی انتہائی کوشش ہے کہ سود کی برائیوں کی پہچان ہی نہ ہو سکے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ مثال کے طور پر اس ملک میں سود پر تحقیق کرنے کے لئے کوئی ادارہ قائم نہیں۔ سولہ نتائج کی نشاندہی ظاہر کرتی ہے کہ ہم نے ابھی چوتھائی رستہ بھی طے نہیں کیا کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سود کے وبال تہتر قسم کے ہیں اور سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے کہ جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔

استحصال کے یہ سولہ مظاہر وہ ہیں جنہیں کلام پاک اپنی زبان میں ظلم کہتا ہے اس ظلم اور باقی ظلموں میں گہرائی اور گیرائی دونوں پہلوؤں سے فرق ہے۔ یہ اللہ کی مخلوق کے منہ سے اس کا نوالہ چھینتا ہے اور پھر اس کی جگہ کسی متبادل نوالہ آنے کا رستہ نہیں چھوڑتا جب تک انسان اپنی آزادی کو ترک اور عزت نفس کو ختم کرنے کو تیار نہ ہو۔ نوالہ چھیننے والے دوسرے کئی ظلم بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن چھینے ہوئے نوالہ کی جگہ دوسرا نوالہ آنے کا راستہ روکنے والا کوئی اور ظلم نہیں۔ ربا چونکہ عملاً اللہ کی ربوبیت کو چیلنج کرنے کی جرأت کرتا ہے اور اس کی رزاقی کے رستے کا روڑا اس وقت تک بنا رہتا ہے جب تک انسانیت اپنے شرف سے محروم نہ ہو جائے لہٰذا یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کا مستحق ٹھہرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ماں کے ساتھ زنا سے ستر درجے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

اب اگر ہم ان سولہ استحصالی اقدامات کا وقت نظر سے جائزہ لیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان سب کا آپس میں تدریجی ربط ہے۔ جیسے بیج بونے کا پودا نکلنے کے ساتھ یا پودا نکلنے کا پودا بڑے ہونے کے ساتھ اگر اس کا پہلا قدم پکڑا جاسکے تو پھر شاید باقی تمام اجزا پر گرفت ممکن ہو جائے۔ چونکہ ہمارا مقصد سود کی جگہ دوسری اساس سرمایہ کاری کی ڈھونڈنا ہے اور چونکہ متعدد اساسیں تجویز کی گئی ہیں اس لیے انہیں قبول یا رد کرنے کا ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ جو نتیجے سود کی اساس پیدا کرتی ہیں کہیں وہ نتیجے ہماری مجوزہ اساس تو پیدا نہیں کرے گی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ کہیں ہماری اساس پیداواری عمل پر بوجھ بن کر اسے محدود تو نہیں کرے گی کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گی تو اس سے وہ سب نتائج پیدا ہوں گے جو سودی نظام پیدا کرتا ہے درخت کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں اس کے متوقع پھل کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس ضرورت کی وجہ سے علت حرمت کی یہ بحث نہ صرف رپورٹ کے سنگین خلاء کو پر کرنے کی کوشش ہے بلکہ اس سے ہمارے پاس ایک فنی کسوٹی آجاتی ہے جس سے رگڑ کر ہم اپنی اساسوں کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کرسکتے ہیں جو اساس پیداواری عمل کو تیز کرے گی اور اچھی ہوگی جو سود کی طرح اس کے راستے کا روڑا بنے گی وہ بری ہوگی اور پھر سولہ کی سولہ برائیاں اس بنیادی برائی کی وجہ سے اس میں نمودار ہو جائیں گی۔

ان شاء اللہ

سرسید احمد خانؒ

"ان شاء اللہ" عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "اگر اللہ نے چاہا" ہم محض رسم اور دکھاوے یا عادت کے طور پر اپنے دوستوں، عزیزوں اور ملنے والوں سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم کل ان شاء اللہ آپ کے ہاں ضرور آئیں گے، ان شاء اللہ میں آپ کا یہ کام ضرور کردوں گا وغیرہ وغیرہ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ ہمارا جانے کا ارادہ ہوتا ہے نہ کام کرنے کا مگر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ کسی کا دل توڑیں یا انکار کرکے کسی سے برے بنیں، اس لئے بڑے جوش سے ان شاء اللہ کہہ دیتے ہیں جو ایسے موقع پر صریح گناہ اور معصیت ہے۔ ہمارا یہ عمل اس درجہ بدنام ہو چکا ہے کہ لفظ "ان شاء اللہ" کی کوئی عظمت ہمارے دلوں میں باقی نہیں رہی اور جب بھی ہم میں سے کوئی اپنے دوست سے کہتا ہے کہ میں ان شاء اللہ کل آپ کے ہاں آؤں گا تو وہ فوراً کہتا ہے "ان شاء اللہ نہیں پکا وعدہ کرو" گویا ہمیں مخاطب کے ان شاء اللہ کہتے ہی اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، ہرگز نہیں آئے گا یا کبھی میرا کام نہیں کرے گا۔ دوسری عادت ہم میں شرعی حیلے تلاش کرکے کسی کام سے بچنے کی اتنی پیدا ہو گئی ہے جس کی انتہا نہیں اور ایک دو میں نہیں، عوام سے لے کر خواص تک اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک اور جاہل سے لے کر عالم تک ہر شخص اس میں بری طرح مبتلا ہے۔ ان دونوں باتوں کے متعلق سرسید نے ظریفانہ اور مزاحیہ انداز میں ایک بہت پرلطف مضمون سوال و جواب کے پیرائے میں "ان شاء اللہ" کے عنوان سے تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا جس کو مولانا حالی نے اپنے ایک نوٹ کے ساتھ "حیات جاوید" میں درج کیا ہے۔ چنانچہ ہم حیات جاوید سے یہ مضمون یہاں نقل کرتے ہیں۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

"کافر۔ کافر" ۔

"کیوں حضرت کافر کیوں؟"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا انا مومن ان شاء اللہ (ان شاء اللہ میں مومن ہوں)

"کافر کافر یوں کہو "انا مومن حقا" (میں یقیناً مومن ہوں) اس جگہ ان شاء اللہ کا لفظ نہیں کہتے۔ ایسے موقع پر یوں بولنا کفر ہے۔"

"پھر حضرت کس جگہ کہتے ہیں؟"

"قسم سے بچنے، وعدہ نہ کرنے، بے گناہ کو دھوکا دینے، جھوٹ بولنے اور جھوٹا نہ ہونے میں۔"

"حضرت! پھر تو ان شاء اللہ خوب وزر ہے، کیا مسلمانوں کا برتاؤ اسی مسئلے پر ہے؟"

"ہاں جو پرہیزگار، مولوی، عالم، شرع پر چلنے والے ہیں، گناہوں سے بچنا چاہتے ہیں وہ ہمیشہ اسی پر خیال رکھتے ہیں۔"

"حضرت! میں تو نہیں سمجھتا۔"

"فقہ پڑھی ہو، اصول فقہ کو جانا ہو، عالموں کی صحبت اٹھائی ہو تو جانو۔ جاہل کندۂ ناتراش، نہ پڑھے نہ لکھے، جانو تو کیا جانو!"

"حضرت آپ ہی سمجھا دیجئے۔"

"ارے میاں! "ان" کے معنی "اگر"، "شاء" کے معنی "چاہا"، "اللہ" کے معنی تو اللہ کے ہیں ہی، مگر وہ فاعل واقع ہوا ہے۔ جس کے معنی "نے" کے ہوتے ہیں۔ ان سب کو ملاؤ تو یہ معنی ہوئے "اگر چاہا اللہ نے" اب دو مسئلے فقہ کے اور سمجھ لو۔ اگر کوئی امر کسی پر مشروط ہو اور بسبب نہ پورے ہونے شرط کے ادا نہ کیا جائے تو کچھ گناہ لازم نہیں آتا "اذا فات الشرط فات المشروط" ایک مسئلہ ہوا؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ خالق جمیع افعال عباد کا خدا ہے۔ پس جب ان دونوں مسئلوں کو ملا کر ان شاء اللہ کے معنوں کو دیکھو تو ان شاء اللہ کہنے کے بعد کچھ گناہ نہیں رہتا۔"

"حضرت! میں مسئلے کو بخوبی سمجھ گیا، مگر اب تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ گناہ کیونکر نہیں رہتا؟ کیا وہ لفظوں کے الٹ پھیر سے الٹ جاتا ہے؟"

"جاہل! اور کیا؟ ہماری جیب میں ایک گھڑی ہے، ہمارے دوست کو اس کی ضرورت ہے۔ جب اس نے ہم سے مانگی، ہم نے کہا کہ ہمارے گھر میں کوئی گھڑی ہی نہیں۔ اس نے کہا "قسم تو کھاؤ" ہم نے کہا "خدا کی قسم، ہمارے گھر میں کوئی گھڑی نہیں۔" ہمارے گھر میں ایک اشرفی رکھی ہے، ہمارے دوست نے ہم سے اشرفی مانگی۔ ہم نے کہا "ہمارے پاس کوئی اشرفی نہیں" اس نے کہا "قسم تو کھاؤ" ہم نے کہا "خدا کی قسم ہمارے پاس کوئی اشرفی نہیں" کیوں سچ بات ہوئی کہ نہیں؟ بات ہی بات میں گناہ الٹ گیا کہ نہیں؟ یہ تو باتیں ہی باتیں ہوئیں؟ روپے، پیسے، سود، بٹے کے معاملے میں بھی لفظوں ہی کے الٹ پھیر سے گناہ الٹ جاتا ہے۔ تولہ بھر سونا سولہ روپے کی قیمت کا ہم سے قرض لو۔ سود سے بچنے کو کہہ لو کہ ہم تولے چاندی لیں گے۔ سولہ تولے چاندی میں وہی تولہ بھر سونا آیا اور چار تولے چاندی سود میں بچ رہی اور سود نہ

ہوا۔ کھوٹا سونا جس میں ذرا سا تانبے کا میل ہو قرض دو اور اسی وزن کے برابر کھرا سونا لے لو، مال تو زیادہ کا ہاتھ لگ گیا اور سود نہ ہوا۔ مکان گروی رکھو، راہن سے کہلوا لو کہ سکونت میں نے بحل کی۔ کرائے کا فائدہ ہوا اور سود نہ ہوا۔ گاؤں گروی لو مثلاً ہزار روپے کو جس میں دو سو روپے سالانہ کا فائدہ ہو، راہن سے اسی روپے سال دینے کے اقرار پر پٹا لکھوا لو اور گاؤں پر قبضہ کر لو، کل منافع تحصیل کرو۔ ایک سو بیس روپے سال سود کے پٹے کے نام سے بچے کہ نہیں؟ اور سود نہ ہوا۔"

"حضرت کیا یہ ہوتا ہے؟"

"خدا کی قسم اب کرتے ہیں۔ جتنے مقدس، خدا پرست، وہابی، نیم وہابی، مقلد، حنفی، زمیندار، تعلقہ دار ہیں سب کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مولویوں نے فتوے دے دیے ہیں۔ اب سمجھے کہ لفظوں کے الٹ پھیر سے گناہ پلٹ گیا کہ نہیں۔ کوئی ہمارے پاس زکوٰۃ کا روپیہ لائے اور ہم مستطیع ہوں، ابھی گھر میں جا کر بیوی سے کہہ دیں کہ ہم نے اپنا کل مال تم کو ہبہ کیا۔ اب مفلس ہو گئے کہ نہیں؟ باہر آویں اور زکوٰۃ کا روپیہ لے لیں۔ باتیں ہی تو ہیں، ان باریکیوں کے سمجھنے کے لئے علم درکار ہے۔"

"بھلا حضرت! یہ تو ہوا، ان شاءاللہ والی بات رہ گئی، اس کو بھی کسی مثال سے سمجھا دو۔"

"ارے میاں یوں سمجھو کہ ہم نے تمہارا دل خوش کرنے کو تم سے کہہ دیا کہ ہم کل تمہارے ہاں آویں گے ان شاءاللہ، ہمارا ارادہ آنے وانے کا کچھ نہ تھا، یوں ہی کہہ دیا تھا، جب نہ گئے تو معلوم ہوا کہ خدا نے نہیں چاہا۔ اس لیے وعدے کو مشروط کیا تھا۔ "اذا فات الشرط فات المشروط" بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا۔ کبھی تم عدالت میں گواہی دینے بھی گئے ہو؟"

"ہاں صاحب! ایک دفعہ گیا تھا، میں نے تو جو سچ تھا کہہ دیا تھا، مگر میرا بھائی مقدمہ ہار گیا، میں کیا کرتا، وہاں ایک کالی مخمل کی گول چنٹ دار ٹوپی پہنے ہوئے گوری رنگت کا مسلمان مولوی کرسی پر بیٹھا تھا، اس نے قسم دی کہ سچ کہنا، میں جھوٹ بولنے سے ڈر گیا، سچ کہہ دیا۔"

"ہاں فقہ نہ جاننے سے، عالموں کی صحبت نہ اٹھانے سے یہی تو نتیجہ ہوتا ہے۔ ارے! جب اس مولوی جج نے قسم دی تھی کہ سچ بولنا تو نے کہا ہوتا کہ خدا کی قسم سچ بولوں گا ان شاءاللہ۔ اگر وہ جج نام کا مولوی تھا اور فقہ نہ جانتا تھا تو پکار کر ہی ان شاءاللہ کہہ دیا ہوتا اور اگر وہ مولوی تھا اور ٹھیر بے ٹھیرے بدلائی آن پڑی تھی تو پکار کر کہا ہوتا کہ خدا کی قسم! سچ بولوں گا اور جھٹ پٹ دل میں کہہ لیا ہوتا ان شاءاللہ، مگر یہ خیال رکھا ہوتا کہ سانس نہ ٹوٹنے پائے ورنہ ان شاءاللہ کا جوڑ ٹوٹ جاتا، پھر جو چاہتے وہ کہہ دیتے، ذرا بھی جھوٹی قسم کھانے کا گناہ نہ ہوتا۔"

"حضرت! باتیں تو آپ نے خوب بتائیں، مگر میں حیرت میں ہو گیا۔ اب تو رخصت ہوتا ہوں اور کسی سے بھی تحقیق کروں گا۔ میرا دل دھکڑ پکڑ کر رہا ہے۔"

"تم جس مولوی سے چاہنا پوچھنا، یہی بتا دے گا۔ کہو تو میں ابھی ہدایہ، شرح وقایہ، در مختار، بحر الرائق، نہر الفائق اور بڑے بڑے معتبر فتاووں سے ہر ایک جزئی کی روایت نکال دوں اور تم نے وہ فتاویٰ بھی دیکھا ہے جو پرانے خاندانی مولویوں اور قاضیوں کے پاس ہوتا ہے؟ میں اس وقت اس کا نام بھول گیا ہوں، یاد آجاوے گا تو بتا دوں گا۔ اس میں ہر ایک مسئلے کی نسبت دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک میں جائز حلال اور دوسری میں ناجائز حرام لکھ رکھا ہے۔ پھر جونسی روایت کے مطابق چاہا فتویٰ لے لیا۔ بہت ہوا روپیہ، دو روپے، فتوے کے نام سے نہیں، اور کسی نام سے بھی دیتے رہے۔ کیوں؟ بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا کہ نہیں؟ مگر اس زمانے میں جو کمبخت مقلدین فلاسفہ ملاحدہ نکلے ہیں وہ تو مذہب اسلام کی جڑ کاٹتے ہیں۔ یا اللہ! کیا مشکل پڑی ہے۔"

تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک پیر مرد متبرک صورت سفید ریش ملے، جانا کہ یہ بھی کوئی مولوی ہیں، پکار کر کہنے لگے کہ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی کیا کوئی مذہبی مسئلہ ہے؟ بولے "حضرت! ہاں مذہب کا مسئلہ ہے" انہوں نے کہا کہ بھائی نہ میں مولوی نہ مولوی کی دم، مجھ سے اور مذہبی مسئلوں کے پوچھنے سے کیا واسطہ! کسی مولوی صاحب سے جا کر پوچھو۔ اسی شہر میں بہت سے مولوی ہیں۔ یہاں سے دس پندرہ کوس پر نامی نامی قصبے ہیں، وہاں مولویوں کے ڈھیر ہیں، وہاں جا کر پوچھو۔"

"نہیں حضرت! میں آپ ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں، آپ کا نام بھی تو مشہور ہے۔"

"ارے میاں شیطان کا نام تو مجھ سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ ابھی ویسے شہرت تو مجھ کو ہوئی بھی نہیں۔ میں نیچری مشہور ہوں، ملا مولوی نہیں ہوں، مجھ سے مت پوچھو۔"

"حضرت! اگر مولوی ملاؤں سے دل کو تسکین ہوتی تو آپ تک کیوں آتے؟ جب دل ہی کو تسکین نہ ہو تو مولوی ملاؤں کو کیا کریں؟ پھر آپ نیچری ہوں یا پیچری، بے پوچھے تو دل مانتا نہیں، خدا کے واسطے بتا ہی دو۔"

"اچھا صاحب پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ مگر میں کسی فتاوی وتاوی کو نہیں جانتا، خدا کی کتاب اور خدا کے فتاویٰ کو جو سب کی آنکھوں کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ جانتا ہوں، جو کہوں گا اسی سے کہوں گا۔"

"بہت اچھا! آپ اسی سے فرمائیے گا، میں پوچھتا ہوں کہ آپ "ان شاءاللہ" کو جانتے ہیں؟"

ہوا۔ کھوٹا سونا جس میں ذرا سا تانبے کا میل ہو قرض دو اور اسی وزن کے برابر کھرا سونا لے لو، سال تو زیادہ کا ہاتھ لگ گیا اور سود نہ ہوا۔ مکان گروی رکھو، راہن سے کہلوالو کہ سکونت میں نے بحل کی۔ کرائے کا فائدہ ہوا اور سود نہ ہوا۔ گاؤں گروی لو، مثلاً ہزار روپے کو جس میں دو سو روپے سالانہ کا فائدہ ہو، راہن سے اسی روپے سال دینے کے اقرار پر پٹا لکھوالو اور گاؤں پر قبضہ کر لو۔ کل منافع تحصیل کرو۔ ایک سو بیس روپے سال سود کے پٹے کے نام سے بچے کہ نہیں؟ اور سود نہ ہوا"

"حضرت کیا یہ ہوتا ہے؟"

"خدا کی قسم! سب کرتے ہیں۔ جتنے مقدس، خدا پرست، وہابی، نیم وہابی، مقلد، حنفی، زمیندار، تعلقہ دار ہیں سب کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مولویوں نے فتوے دے دیئے ہیں۔ اب سمجھے کہ لفظوں کے الٹ پھیر سے گناہ پلٹ گیا کہ نہیں۔ کوئی ہمارے پاس زکوٰۃ کا روپیہ لائے اور ہم مستطیع ہوں، ابھی گھر میں جا کر بیوی سے کہہ دیں کہ ہم نے اپنا کل مال تم کو ہبہ کیا۔ اب مفلس ہو گئے کہ نہیں؟ باہر آویں اور زکوٰۃ کا روپیہ لے لیں۔ باتیں ہی تو ہیں، ان باریکیوں کے سمجھنے کے لئے علم درکار ہے۔"

"بھلا حضرت! یہ تو ہوا، ان شاء اللہ والی بات رہ گئی، اس کو بھی کسی مثال سے سمجھا دو۔"

"ارے میاں یوں سمجھو کہ ہم نے تمہارا دل خوش کرنے کو تم سے کہہ دیا کہ ہم کل تمہارے ہاں آویں گے ان شاء اللہ، ہمارا ارادہ آنے وانے کا کچھ نہ تھا، یوں ہی کہہ دیا تھا، جب نہ گئے تو معلوم ہوا کہ خدا نے نہیں چاہا۔ اس لیے وعدے کو مشروط کیا تھا۔ "اذا فات الشرط فات المشروط" بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا۔
کبھی تم عدالت میں گواہی دینے بھی گئے ہو؟"

"ہاں صاحب! ایک دفعہ گیا تھا، میں نے تو جو سچ تھا کہہ دیا تھا، مگر میرا بھائی مقدمہ ہار گیا، میں کیا کرتا، وہاں ایک کالی مخمل کی گول چنٹ دار ٹوپی پہنے ہوئے گوری رنگت کا مسلمان مولوی کرسی پر بیٹھا تھا، اس نے قسم دی کہ سچ کہنا، میں جھوٹ بولنے سے ڈر گیا، سچ کہہ دیا۔"

"ہاں فقہ نہ جاننے سے، عالموں کی صحبت نہ اٹھانے سے یہی تو نتیجہ ہوتا ہے۔ ارے! جب اس مولوی جج نے قسم دی تھی کہ سچ بولنا، تو نے کہا ہوتا کہ خدا کی قسم سچ بولوں گا ان شاء اللہ۔ اگر وہ جج نام کا مولوی تھا اور فقہ نہ جانتا تھا تو پکار کر ہی ان شاء اللہ کہہ دیا ہوتا اور اگر وہ مولوی تھا اور تمیز بے تمیز سے بدلائی آن پڑی تھی تو پکار کر کہا ہوتا کہ خدا کی قسم! سچ بولوں گا اور جھٹ پٹ دل میں کہہ لیا ہوتا ان شاء اللہ، مگر یہ خیال رکھا ہوتا کہ سانس نہ ٹوٹنے پائے ورنہ ان شاء اللہ کا جوڑ ٹوٹ جاتا، پھر جو چاہتے وہ کہہ دیتے، ذرا بھی جھوٹی قسم کھانے کا گناہ نہ ہوتا۔"

"حضرت! باتیں تو آپ نے خوب بتائیں، مگر میں حیرت میں ہو گیا۔ اب تو رخصت ہوتا ہوں اور کسی سے بھی تحقیق کروں گا۔ میرا دل دھکڑ پکڑ کر رہا ہے۔"

"تم جس مولوی سے چاہنا پوچھنا، یہی بتا دے گا۔ کہو تو میں ابھی ہدایہ، شرح وقایہ، درمختار، بحرالرائق، نہر الفائق اور بڑے بڑے معتبر فتاووں سے ہر ایک جزئی کی روایت نکال دوں اور تم نے وہ فتاویٰ بھی دیکھا ہے جو پرانے خاندانی مولویوں اور قاضیوں کے ہاں ہوتا ہے؟ میں اس وقت اس کا نام بھول گیا ہوں، یاد آجاوے گا تو بتا دوں گا۔ اس میں ہر ایک مسئلے کی نسبت دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک میں جائز حلال اور دوسری میں ناجائز حرام لکھ رکھا ہے۔ پھر جونسی روایت کے مطابق چاہا فتویٰ لے لیا۔ بہت ہوا روپیہ، دو روپے، فتوے کے نام سے نہیں، اور کسی نام سے کبھی کبھی دیتے رہے۔ کیوں؟ بات کی بات میں گناہ پلٹ گیا کہ نہیں؟ مگر اس زمانے میں جو کمبخت مقلدین فلاسفہ ملاحدہ نکلے ہیں وہ تو مذہب اسلام کی جڑ کاٹتے ہیں۔ یا اللہ! کیا مشکل پڑی ہے۔" ع

تھوڑی دیر چلے تھے کہ ایک پیر مرد متبرک صورت سفید ریش ملے، جانا کہ یہ بھی کوئی مولوی ہیں، پکار کر کہنے لگے کہ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی کیا کوئی مذہبی مسئلہ ہے؟ بولے "حضرت! ہاں مذہب کا مسئلہ ہے" انہوں نے کہا کہ بھائی نہ میں مولوی نہ مولوی کی دم، مجھ سے اور مذہبی مسئلوں کے پوچھنے سے کیا واسطہ! کسی مولوی صاحب سے جا کر پوچھو۔ اسی شہر میں بہت سے مولوی ہیں۔ یہاں سے دس پندرہ کوس پر نامی نامی قصبے ہیں، وہاں مولویوں کے ڈھیر کے ڈھیر ہیں، وہاں جا کر پوچھو۔"

"نہیں حضرت! میں آپ ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں، آپ کا نام بھی تو مشہور ہے۔"

"ارے میاں شیطان کا نام تو مجھ سے بھی زیادہ مشہور ہے۔ ابھی ویسے شہرت تو مجھ کو ہوئی بھی نہیں۔ میں نیچری مشہور ہوں، ملا مولوی نہیں ہوں، مجھ سے مت پوچھو۔"

"حضرت! اگر مولوی ملاؤں سے دل کو تسکین ہوتی تو آپ تک کیوں آتے؟ جب دل ہی کو تسکین نہ ہو تو مولوی ملاؤں کو کیا کریں؟ پھر آپ نیچری ہوں یا پیچری، بے پوچھے تو دل مانتا نہیں، خدا کے واسطے بتا ہی دو۔"

"اچھا صاحب پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ مگر میں کسی فتاوی وتاوی کو نہیں جانتا، خدا کی کتاب اور خدا کے فتاوی کو جو سب کی آنکھوں کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ جانتا ہوں، جو کہوں گا اسی سے کہوں گا۔"

"بہت اچھا! آپ اسی سے فرمایئے گا، میں پوچھتا ہوں آپ "ان شاء اللہ" کو جانتے ہیں؟"

''خوب جانتا ہوں، ہماری دلی کے رہنے والے تھے، بڑے شاعر تھے، مزاج میں ظرافت تھی۔ ان کے یہ اشعار مجھے یاد ہیں، پہلے مصرع میں شاید کچھ لفظ ادل بدل ہو گئے ہیں۔

مولوی کہتے ہیں ہم کو تو نے کیوں رسوا کیا
کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر ہم نے کیا کیا
واسطہ، باعث، سبب، موجب، جہت کچھ بات تھی
راز وہ کمبخت کیا تھا میں نے جو افشا کیا
کیا کہا، کس سے کہا، کس نے سنا، کب کس گھڑی
کس جگہ، کس وقت، کس دم آپ کا چرچا کیا

''حضرت! میں آپ سے انشاء اللہ خان کا حال نہیں پوچھتا، ''ان شاء اللہ'' کے لفظ کی نسبت حکم شرع کا پوچھتا ہوں کہ کس مراد اور کس مطلب سے اور کس مقام پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے؟''

''یہ کہو! ذرا مجھ کو خدائی فتاویٰ نیچر دیکھ لینے دو۔ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ تم کو کسی کام کی نسبت یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں کل کروں گا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اگر خدا چاہے تو میں کل کروں گا۔ خدا سبب علۃ العلل ہونے کے ہر کام کو خواہ انسان کرے یا حیوان، اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اس لئے انسان کو بھی لازم ہے کہ ہر چیز کو خدا سے متعلق کرے۔ پس جس بات پر ان شاء اللہ کا لفظ کہا جاتا ہے تو ان شاء اللہ کے لفظ سے اس بات پر تعلیق ہوتی ہے اور وعدے کو زیادہ استحکام ہوتا ہے۔ سننے والے کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ وعدہ کرنے والے نے خدا پر اس وعدے کی تعلیق کی ہے تو ضرور اس کو پورا کرے گا۔ اگر تم نے کسی سے وعدہ کیا کہ میں کل تمہارے گھر آؤں گا اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا اور نہیں گئے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوا اور گر اس کے ساتھ ان شاء اللہ بھی کہا اور پھر نہ گئے تو تین گناہ ہوئے۔ ایک وعدے کا، دوسرا اس بات کا کہ جس سے وعدہ کیا گیا تھا اس کو وعدہ پورا کرنے کا زیادہ یقین دلایا اور وعدہ پورا نہ کیا، تیسرا اس بات کا کہ خدا کو ضامن دیا اور اسکے نام کی عزت کا بھی کچھ ادب نہ کیا۔ اگر کسی بات پر قسم کھا کر ان شاء اللہ کہا ہو تو تم قسم توڑنے پر گناہ سے نہیں بچتے، بلکہ دگنا گناہ ہوتا ہے، قسم توڑنے کا، خدا کے ساتھ تعلیق کر کے اس کا ادب نہ کرنے کا، جب قسم کھائی کہ سچ کہوں گا اور ظاہر میں یا دل میں ان شاء اللہ کہہ لیا اور پھر جھوٹ بولے تو تین گناہ ہوئے، جھوٹ بولنے کا، قسم توڑنے کا، خدا پر تعلیق کر کے اس کا ادب نہ کرنے کا۔ جس بات کا وعدہ کیا جاتا ہے، جب مصمم اور نہایت مضبوطی اور سچی نیت سے اس کے پورا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے، اس وقت اس کے ساتھ ان شاء اللہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تم نے ایک مولوی

سے کہا کہ میں تم کو ان شاء اللہ دس روپے دوں گا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ضرور بے شک تم کو دس روپے دوں گا۔''

''حضرت اپنے وعدوں کی نسبت تو مولوی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ نکلی نہیں رہتا، بلکہ بحکم نصوص صریحہ مثل زکوٰۃ اور نذر یمین کے واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اور جگہ کہتے ہیں کہ نہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوتا ہے، نہ قسم ٹوٹنے کا گناہ ہوتا ہے اور ان شاء اللہ کو ایک سپر (ڈھال) بتاتے ہیں جو ہر ایک حربے سے بچا لیتی ہے۔ حضرت! خدا مارے یا چھوڑے، ان مولویوں نے جو اسلام بنا رکھا ہے اگر وہی اسلام ہے تو میرا سلام۔ اس سے نیچری ہی اچھے جو سچائی کو اسلام بتاتے ہیں۔''

حواشی

۱۔ (گویا ایک مولوی کا فقیہ کا ایک جاہل آدمی سے خطاب ہے اور اس نے جو یہ لفظ کہا ہے کہ انا مومن ان شاء اللہ (ان شاء اللہ میں مومن ہوں) اس پر اس کو کافر بتاتا ہے۔ حالی)

۲۔ (یہاں تک مولوی اور اس کے جاہل مخاطب کی گفتگو تھی، اس کے بعد گویا آرٹیکل لکھنے والا کہتا ہے کہ اس جاہل کا مقابلہ دراہ میں نیچریوں کے کسی سرگروہ سے ہو گیا، پھر ان دونوں کے سوال و جواب ہیں۔ حالی)

۳۔ خدا کے فتاویٰ سے مراد فطرت انسانی ہے جس میں حسن و قبح اشیاء کا علم ودیعت کیا گیا ہے اور جس کی طرف مخبر صادق نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ "استفت قلبک ولو افتاک المفتون" (اپنے دل سے فتویٰ پوچھو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔ مفتیوں کا فتویٰ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) اور جو لوگ اس فتاویٰ کے موافق عمل کرتے ہیں وہ مفتیوں کے فتووں سے مستغنی ہیں۔ چنانچہ ہم نے خود دیکھا کہ نواب مصطفیٰ خان مرحوم رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے پاس ایک موضع گروی تھا۔ بہت مدت کے بعد مالک نے اس کو چھڑانا چاہا۔ ہر چند کہ رہن نامے میں تمام منافع موضع مرہونہ کا مرتہن کو معاف و مباح کر دیا گیا تھا اور فک رہن کے وقت مالک خوشی کل زر رہن ادا کرنا چاہتا تھا اور مفتیوں نے بھی اباحت کا فتویٰ دے دیا تھا مگر اس مرحوم مغفور نے یہی حدیث پڑھی کہ استفت قلبک ولو افتاک المفتون اور جس قدر محاصل اس موضع سے وصول ہوا تھا سب زر رہن میں سے مجرا دے کر باقی روپیہ راہن سے لے لیا۔ (حالی)